اعتراضات بنام

''سپر دانشوران قرآن، پاکستان''

از طرف

کیپٹن ریٹائرڈ محمد صدیق احمد، بندہء اللہ، کراچی،

بتاریخ ۶ ستمبر ۲۰۰۹ء۔

==================

جوابی توضیحات

از طرف

اورنگزیب یوسفزئی

(سلسلہء دعوت قرآنی۔ لاہور)

اکتوبر ۲۰۰۹ء

برتر از گردوں مقام آدم است   اصل تہذیب احترام آدم است

کراچی سے محترم کیپٹن محمد صدیق نے مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ ایک مکتوب تحریر کیا ہے اور اغلباً عمومی سطح پر قرآنی جماعتوں کے درمیان سرکولیٹ بھی فرمایا ہے۔ اس تحریری مواد میں رمز و ایمائیت کے اسلوب میں، اور نمایاں طور پر بھی، جس سمت اشارات فرمائے گئے ہیں، نیز جو انداز و اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ نقاد کا روپ دھار کر شرفاء کی پگڑیاں اچھالنے کے مترادف نظر آتا ہے اور صاحب مضمون کی ذات و شخصیت کا عکاس باور نہیں ہوتا ۔ کیونکہ مکتوب اس قرآنی جماعت کی سراسر منفی عکاسی کرنیکی ایک شعوری کوشش معلوم ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کیپٹن صاحب کی خدمت اقدس میں ، نیز مکتوب کے قارئین کیلئے،

کچھ وضاحتیں کر دی جائیں۔

دراصل یہ مکتوب تنقید و تعریف، الزامات و رد الزامات، ان گنت طفلانہ سوالات، پھر ان ہی سوالات کے بارے میں خود جحتی ، اور پھر خود ہی کی جانب سے بیشتر کے جوابات پرمبنی، ایک چوں چوں کا مربہ ہے۔ کم از کم الفاظ میں بھی اسے ایک سنجیدگی سے عاری تحریر ہی کہا جا سکتا ہے جو کسی بھی قسم کے علمی جواب کی نہ تو طالب ہے اور نہ ہی حقدار۔ البتہ برادر محترم کیپٹن صاحب کی طرف سے راقم کیساتھ کی گئی پرخلوص معذرت کے بعد اس ناچیز کی یہ تحریر، ان کے الزامات اور طنزیہ اسلوب کا پر زور رد نہیں، بلکہ صرف ریکارڈ درست کرنے کے مقصد سے سپرد قلم ہے تاکہ اس قرآنی جماعت کی عمومی غیر جانبدار، علمی اور تحقیقی شبیہ (image) برقرار رہے۔

کیپٹن صاحب ہمارے قابل احترام بھائی ہیں۔ اور حقیقی قرآنی تعبیرات کی کھوج میں سرگرداں ہم ہدف ملامت لوگ، ان کو بھی اسی ضمن میں اپنا درد دل رکھنے والا ساتھی سمجھتے آئے ہیں۔ موصوف کی ایک عدد تصنیف "حقیقت الربٰو (۲۰۰۱ء)" ریکارڈ پر موجود ہے اور تحقیق کی ہمہ جہتی کے سبب نہ صرف اپنے موضوع پر سند تسلیم کیئے جانے کے لائق ہے، بلکہ قرآن خالص سے موصوف کی وابستگی کا ثبوت بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ تاہم حیرت کا مقام ہے کہ موجودہ مکتوب موصوف کی فکر و نظر میں ایک تبدیلیء معکوس اور تنزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آں جناب سے فون پر گفتگو کے بعد ثابت ہوا کہ برادرم نے اپنا تصور دین اور معیار فہم و فراست حقیقتاً اس قدر تبدل و تحول کا شکار نہیں ہونے دیا ہے جیسا کہ ان کے مکتوب سے عیاں ہوتا ہے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تحریر ایک اعترافی دستاویز اور ایک ایسا (commitment) اقراری بیان ہوتی ہے جو کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند واپس نہیں لی جا سکتی۔ نہ ہی اسکی ضرر رسانی کی بآسانی تلافی ممکن ہے۔ مزید برآں، اس میں غیر محتاط رویے کا استعمال ہر جہت سے قابل گرفت اور قابل ملامت بن جایا کرتا ہے، جیسے کہ آئندہ آنے والی سطور سے ثابت ہوتا نظر آئے گا۔ بوجوہ مذکورہ، ایک شریفانہ، علمی اور تہذیبی اسلوب کا اختیار کرنا ہمیشہ ایک اعلیٰ و ارفع قدر کے مترادف ہوتا ہے اور کسی

بھی لکھاری کیلئے محفوظ ترین راستہ ہوا کرتا ہے۔ برادر محترم نے کسی وقتی جذبے کے تحت اپنے تئیں اس محفوظ راستے کا انتخاب نہیں کیا۔

افسوس کا مقام اس قرآنی جماعت کے لئے یہ ہے کہ ہم عاجزین کو ہر مرتبہ قلم اٹھاتے وقت صرف الزامات کا سامنا ہی ہوتا ہے۔ اور عموماً طنز، استہزا اور تمسخر کیساتھ ساتھ لیبل بازی اور سوقیانہ پن کا جواب ہی لکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ایک بڑی مجبوری ہے کہ اس قسم کے جواب لکھتے وقت، جرم بیگناہی کے ردعمل میں، کسی قدر تلخ پیرایۂ اظہار از خود نوک قلم پر آ جاتا ہے۔ آج بھی شومئ قسمت کہ برادرم موصوف کے مکتوب کی وضاحت کرتے سمے وہی روایتی صورت احوال درپیش ہے، کیونکہ برادر موصوف نے اپنے مضمون کی ابتداء ہی طنز و تمسخر سے کی ہے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جناب کے مخاطبین نے خود کو کبھی "سپر" تو درکنار، صرف "دانشور" بھی باور نہیں کیا، اور "قرآنی طالب علم" سے بڑے درجے کا اپنے تئیں کبھی حقدار نہیں سمجھا ہے۔

مکتوب خاصی طویل ضخامت کا حامل ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تحریر کے تمام نکات کو آشکار کرنے کیلئے اسے من وعن نقل کر دیا جاتا ور ساتھ ساتھ اس "دفتر بے معنیٰ" کے ممکنہ جوابات بھی دے دیے جاتے۔ لیکن اسطرح خود اس مضمون کے غیر معمولی طویل ہو جانے کا خوف ہے۔ اسی وجہ سے صرف برادرم کے ذہن میں موجود الجھاؤ کی نشان دہی جوابات کیساتھ ساتھ کرنے کی حقیری سی کوشش کی جائیگی۔

کیپٹن صاحب کا مرقومہ پہلا ڈیڑھ صفحہ قرآنی طالبعلموں پر "عبادات (صلوٰۃ، نماز، صوم، حج وغیرہ) کے انکار" اور "قرآنی اصطلاحات کے انکار" جیسے بے بنیاد الزامات سے شروع ہو کر "اس صدی کے نصف تک قرآن کریم کا بھی انکار ہو جائیگا" جیسی پیغمبرانہ پیشن گوئی پر مبنی ہے۔ پھر تخیل کی پرواز بلند تر ہوتی ہے اور اس میں "نماز پڑھنے والوں کا مذاق اڑانا"، نماز کو "چوتڑ اٹھا کر عبادت کرنے" سے تشبیہ دینا، "اس نظریے کو لوگوں پر ٹھونسنا" اور پھر "پوپ کا کراچی کی زمین کو سجدہ کرنا" وغیرہ، وغیرہ مزید الزامات و دلائل کے طور پر شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی شکایت ہے کہ "بجائے انتہائی اقدام کے، نماز،

صوم و حج وغیرہ میں جو غلط چیزیں عجمی سازشوں کے نتیجہ میں رواج پا گئی ہیں ان کی اصلاح نرمی و حکمت سے کی جاتی " ۔ پھر اپنی " ناچیز رائے " یہ بیان فرمائی کہ ہم برصغیر کے مسلمان کیونکہ اردو بولتے اور اردو میں ہی سوچتے ہیں، اس لئے یہ صلوٰۃ اور " نماز پڑھنے" کا کنفیوژن صرف ہمیں ہی ہے۔ عربوں میں نہیں ہے۔ وغیرہ، وغیرہ۔

ان موضوعات پر مزید تفصیل میں جانا عبث ہی ہوگا کیونکہ مندرجہ بالا " تبصرہ" پکار پکار کر یہ اعلان کر رہا ہے کہ برادرم پر نہ قرآن حکیم کا مجموعی پیغام اب تک واضح ہو سکا ہے اور نہ ہی صلوٰۃ کی اصطلاح کا لغوی، تاریخی اور قرآنی معانی ہی ان کے علم میں ہے۔ روایت پرستی کی چھاپ گہری ہے۔ انہیں تو یہ بھی کسی نے زبانی بتا دیا ہے کہ یہ قرآنی جماعت اصطلاحات اور عبادات کا انکار کرتی ہے۔ کیونکہ اس ۔۔انکار۔۔کو حضرت کہیں سے بھی تحریری طور پر ثابت نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر مقصد محض ہجو کرنا ٹھہرے ، تو " خوئے بد را بہانہ بسیار"۔

برادرم کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ قرآنی اصطلاحات کی درست تعبیرات کو دریافت کرنا اور انکے حقیقی لغوی اور قرآنی معانی سمجھانے کو کوشش کرنے کو اصطلاحات یا عبادات کا ۔۔انکار۔۔ آپ کسی بنیاد پر بھی نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ تعصب اور تنگ نظری نے آپ کی چشم بصیرت کو علم و دانائی کے اجالوں سے یکسر محروم نہ کر دیا ہو۔ اور پھر" ٹھونسنا" چہ معنی دارد؟ اور کونسا " انتہائی اقدام" ؟ کیا خدانخواستہ قرآنی جماعت کوئی قوت یا کسی اختیار کا ہتھیار اپنے پاس رکھتی ہے جس سے کہ وہ اپنا ما فی الضمیر یا رائے کسی پر جبراً مسلط کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ البتہ ہر دوسرے دینی گروپ کی طرح ہمارا بھی بنیادی حق ہے کہ جس چیز کو تحقیق کے بعد خلوص دل سے درست مانتے ہیں اس کا شریفانہ ابلاغ کر سکیں۔ اور اسکے سوا ہم کبھی کچھ اور نہیں کرتے۔ ہمارا یہ معمولی سا ابلاغ بھی بڑے بجٹ اور بڑے کارخانے رکھنے والے تنگ دماغ مذہبیت پرستوں کو گوارا نہیں ہوتا اور آپ ہی کی تحریر کی مانند، بے بنیاد الزامات، طنز اور تمسخر کے اک طوفان کا ہم کو سامنا ہے۔ اسی ضمن میں کبھی کبھی جب نامعقولیت حد سے بڑھی ہوئی پاتے ہیں، اور ہماری عزت نفس پر حملے کیے جاتے ہیں، تو

اپنی صفائی ضرور پیش کر دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ہماری روایت ہے ، نہ استطاعت اور نہ ہی ہم شریفانہ اسلوب تحریر ترک کر سکتے ہیں۔

برادر محترم، بات انکار کی ہے ہی نہیں۔ بات تو دراصل علمی بنیاد پر تفہیم کی درستگی و اصلاح کی ہے۔ تفصیل میں کیا جایا جائے؟ تکرار کا ارتکاب ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو آپ عبادات (بمعنی پرستش یا دعا، یا روزہ یا نماز یا حج وغیرہ) سمجھتے ہیں وہ سراسر غلط تفہیم ہے۔ شاید ہماری بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا آپ پر گراں گزرے، اس لئے پچھلی صدی کے ایک نابغہ روزگار قرآنی دانشور کی تحریر کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو چشم کشا ہے (واضح رہے کہ پچھلی صدی کے قرآنی دانشوراں کی جناب نے تعریف فرمائی ہے اور انہیں موجودہ صدی کے ''گنہگار قرآنی لوگوں'' کی جاری کردہ بدعتوں سے پاک قرار دیا ہے):-

> ''عبادت کا لفظ عبد سے ہے۔ جس کے معنی غلام کے ہیں اور غلامی کا لازمی نتیجہ حکموں کی تعمیل ہے۔ عبادت کا لفظ مذہب میں دعا، تسبیح، روزہ وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے '' جو نہایت بیہودہ اور گمراہ کن ہے'' اور اس لفظ کے غلط استعمال نے مذہب میں وہ '' بے انتہاء خرابی پیدا کی ہے جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں''۔ کوئی شخص صرف سلام کرنے، با ادب کھڑا ہونے یا بھوکا رہنے وغیرہ سے کسی کا غلام نہیں ہوسکتا۔ غلام کیلئے پہلا ضروری فعل بتایا ہوا کام کرنا یعنی آقا کے حکموں کی ااطاعت ہے''۔ حریم غیب از علامہ عنایت اللہ خان المشرقی۔

تو جناب، یہی ہمارا بھی قرآن سے استنباط ہے کہ الصلوٰۃ کو خواہ نماز کہا جائے یا صلوٰۃ، اس کے قرآنی مفہوم و تعبیر میں وہ عمل پرستش آتا ہی نہیں ہے جو امت مسلمہ پر پہلی صدی ہجری میں ہی یہودی سازشوں اور بنی امیہ کے ظالمانہ جبر و استبداد کے ذریعے مسلط کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ قرآنی احکامات کے ساتھ شخصی آمریتیں کیسے چلا سکتے تھے؟ انہیں ان احکامات کی شکل و بنیاد تبدیل ہی کرنی تھی۔ الصلوٰۃ وہ نظام حکومت ہے جس میں احکام خداوندی کی حرف بحرف اطاعت و پیروی کی جائے اور یہ صاحبان اقتدار کا فریضہ ہے (دیکھیں سورۃ الحج،

آیت ۴۱) کہ اسے نافذ کریں۔ صرف اسی تعبیر سے اطاعت احکام یعنی ''عبادت'' ہو سکتی ہے۔ موجودہ مروج تعبیر کے تحت جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ بے سود اور بے نتیجہ ہے۔ اور یہ صرف نتائج ہی ہیں جو کسی بھی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا پیمانہ ہوتے ہیں۔ نتائج ہی سے احکامات و اصطلاحات کی تعبیرات درست یا غلط ثابت ہوتی ہیں۔ زبانی دعووں، شکوے شکایات اور الزامات سے نہیں۔ جناب خود ہی امت مسلمہ کی موجودہ صورت حالات کا تجزیہ فرما سکتے ہیں۔ اگر پہلے سے چلی آ رہی تعبیرات کسی بھی نہج سے درست ہیں تو، ان پر مسلسل عمل درآمد کے سبب، کیا جناب کسی بھی شعبہء زندگی میں کوئی بھی بہتر نتائج ثابت کر سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں کر سکیں گے!

آپ ہی کے مکتوب کے مطابق، عجمی سازشوں کو آپ بھی مانتے ہیں۔ یہ بھی اقرار ہے کہ غلط چیزیں رواج پا گئی ہیں۔ جمہور امت کو '' فرقوں میں بٹے ہوئے نام نہاد مسلمان'' آپ بھی کہتے ہیں۔ پھر بھی ان کے غلط رسوم و رواج اور دین کی غلط تعبیرات سے آپ کو ہمدردی ہے۔ جبھی تو آپ نے زبان طعن ان کی بجائے قرآنی لوگوں کے خلاف دراز کی ہے۔ برادر محترم یہ کس قسم کی پالیسی ہے؟ آپ یہ کس قسم کے نفسیاتی مسائل یا تضادات کا شکار ہیں؟ پھر یہ کہ ''نرمی و حکمت سے اصلاح'' سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کن چیزوں کی اصلاح؟ وضاحت کیوں نہیں فرمائی؟ اصلاح کی ضرورت کو بھی مانتے ہیں، مگر اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو مطعون کرتے ہیں ! آپ کے مطابق کیا ہیں وہ '' غلط چیزیں جو رواج پا گئی ہیں''؟ اور قرآنی لوگوں نے کب، کہاں اور کیسے، نرمی کی بجائے، جبر کا ڈنڈا چلایا ہے؟ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اپنے نظریاتی ہدف کے معاملے میں آپ خود واضح نہیں ہیں۔ پھر بھی آپ نے نہایت حساس موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور تمام امور کا جواب دینے کا بار ہم غریبوں کے کاندھوں پر ڈال دیا ہے۔ کیا یہ احقر سوال کرنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ جناب کا قطعی منشور، پالیسی، نظریہ حیات کیا ہے تاکہ جناب سے حسب حال گفتگو کی جا سکے۔ دین کا اصل ماخذ قرآن کو سمجھتے ہیں یا یہودیوں کی وضع کردہ حدیثوں، فقہ یا شریعت کو؟ دین کو ذاتی نجات کیلئے پرستش، ذکر و اذکار، تسبیح و درود کا مجموعہ سمجھتے ہیں یا حکومت

الٰہیہ کے قیام کے ذریعے انسانیت کو جبر، استحصال اور غلامی سے بچانے کا عملی پیغام اور منشور؟ ان سوالات کے جوابات کے بغیر تو یہ واضح ہی نہیں ہو سکے گا کہ جناب کس پلیٹ فارم سے کیا گفتگو فرما رہے ہیں۔

مزید برآں، جن لوگوں کا ملجا و ماویٰ، راس المال اور نصب العین ہی قرآن ہے، اور جنہیں آپ نے طنز کا استعمال کرتے ہوئے بھی کچھ اور نہیں بلکہ "سپر دانشوران قرآن" ہی کا لیبل (ٹھپہ) لگایا ہے، کیسا تضاد و تناقض ہے کہ اسی زبان میں آپ انہی کے ذریعے قرآن کے مکمل انکار کی غیبی پیشن گوئی بھی فرما رہے ہیں؟ بقول شاعر وہ کیفیت ہے کہ:-

کہہ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ　　　کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اور، اس کے بعد پھر وہی گھسا پٹا طنزیہ استدلال کہ "چودہ صدیوں میں مسلمان قرآنی اصطلاحات کا مطلب ہی نہ سمجھے اور غلط عمل کرتے رہے اور آج انہیں پندرھویں صدی میں ان اصطلاحات کے معنی بتائے جا رہے ہیں" !!! برادرم، آخر پچھلی ۱۴ صدیوں میں وہ کونسے قابل رشک حالات رہے ہیں جن کی طرف جناب اشارہ دے کر طنز فرما رہے ہیں؟ کیپٹن صاحب ، خلافت راشدہ کے بعد تقریباً ۱۴ صدیاں مسلمان مطلق العنان موروثی بادشاہت کے چنگل میں پھنسے، آج ہی کی طرح بے وقوف بنے، ظلم، استحصال، غربت، بدترین غلامی اور سلب و نہب بھی تو بھگتتے رہے ہیں۔ لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں مختلف عقائد رکھنے کی پاداش میں کٹتی بھی رہی ہیں۔ ظالم اور جابر سلاطین ، آج ہی کی طرح، ان کی محنت کی کمائیوں سے محلات بناتے، زروجواہر کے انبار جمع کرتے اور حرم سرائیں آباد بھی تو کرتے رہے ہیں۔ اور امت ان غلط کاریوں کے نتیجے میں نسل بعد نسل اپنا زوال بھی تو دیکھتی آ رہی ہے۔ سب جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں) کہ ۷۲ سال بعد ہی بنوامیہ کے سفاک ڈکٹیٹروں کا انجام سامنے آیا اور دین کی بیخ کنی، ظلم اور عیاشی اور قرآن کی تعبیرات کو بگاڑنے کے نتیجے میں ان کے پورے قبیلہ و نسل کا قتل عام ہوا۔ اس کے ۱۰۰ سال بعد ہی بنو عباس کے رنگیلے عیاشوں کا زوال شروع ہو گیا اور پھر باقی سوا تین سو سال انہوں نے خراسانیوں، دیلمیوں، وحشی ترکوں اور سلجوقیوں کے غلام بن کر زندگی گزاری۔ سفاک صلیبیوں

اور تاتاریوں نے انہیں تاراج کیا۔ پھر عثمانیوں نے اپنا تسلط قائم کیا۔ پھر سپین سے قتل عام کر کے نکالے گئے۔ پھر ادھر سلاطین اور مغلوں کا ہندوستان میں زوال ہوا اور ادھر عثمانیوں کا زوال ہوا۔ آج اللہ معاف فرمائے، تمام نام نہاد مسلم مملکتیں اور ان کے 'عزت مآب' سربراہان، مسیحی سامراج کے فرمانبردار غلام ہیں۔ اکثر نے تو حکمرانی اور مملکتیں اسی سامراج سے خیرات میں پائی ہیں۔ برادر محترم، اگر درست تعبیرات برقرار رہتیں تو کیا مطلق العنان شخصی حکومتیں وجود میں آ سکتیں؟ اور کیا مسلمان قوم بتدریج زوال پزیر ہوتے ہوتے بلآخر غلامی میں پکڑ لی جاتی؟ ہمیں زوال ہی نہ آتا اگر ہم مومنین ہوتے۔ ارشاد باری تعالیٰ بہت واضح ہے کہ : انتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳/۱۳۹)۔ اور ہم مومن تب ہی ہوتے جب ہمیں حقیقی قرآنی منشور سے ابتداء میں ہی محروم نہ کر دیا جاتا۔ دیکھیے اقبال کا فیصلہ بھی ہمارے نظریے کے حق میں ہی ہے :-

منزل و مقصود قرآن دیگر است   رسم و آئین مسلماں دیگر است

اور

حقیقت خرافات میں کھو گئی   یہ امت روایات میں کھو گئی

اور مندرجہ ذیل اقتباس بھی جناب کو خیالی دنیا سے باہر لا کر یہ بتائے گا کہ قرآن کے ساتھ کیا کچھ کیا جا چکا ہے :-

"قرآن حکیم کے مطالب و مقاصد میں اگرچہ بے حد معنوی تحریف ہو چکی ہے، اسکا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علماء کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہوگیاہے، اسکے معانی پر بے حد شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اس کے کسی ایک امر مہم کا الہٰی مفہوم صحیح طور پر مسلمانان عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا،اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اس کو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں، مونہوں، لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اس کے الفاظ بعینیہہ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا۔" علامہ المشرقی: تذکرۃ جلد اول، صفحہ ۳۴-۳۳۔

دو لائنیں اور بھی پڑھنے کی تکلیف فرمالیں :-

"ویدوں اور گیتا کی صحیح تعلیم کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا صحیح اثر کتنی دیر تک ہندومت میں برقرار رہا۔ مگر اسلام کے بارے میں جو مذاہب عالم میں سے سب سے نیا مذہب ہے، وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ عرب کی امت اسلام کے الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس ۳۰ برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔" علامہ المشرقی: تذکرہ، جلد اول صفحہ ۱۹۔

امید واثق ہے کہ اب صورت حال برادرم پر کافی واضح ہوگئی ہوگی۔ مکتوب کے صفحہ ۲ پر برادر محترم کی ایک غلط فہمی اور بھی دور کر دی جائے۔ پہلی صدی ہجری کے دوران تحریر شدہ مواد جو غیر موجود ہے، یعنی غائب کر دیا گیا ہے، ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور پہلی صدی ہجری کے بارے میں بعد ازاں لکھا گیا نمبر دو مواد بالکل علیحدہ چیز ہے۔ جناب نے یہاں بھی الزام تراشی کے سلسلے میں دونوں چیزوں کو گڈ مڈ کر کے رکھ دیا۔ رہی قرآن کی بات تو حضرت، تواتر و تسلسل حضورؐ کی ذات سے لیکر آج تک صرف قرآن ہی کا تو ثابت ہے۔ یہی تو وہ واحد تحریر شدہ مواد ہے جو رسول کے مبارک ہاتھوں سے لیکر خلفائے راشدین کی حکومتوں کے دوران لاکھوں کی تعداد میں مسلسل پھیلایا جاتا رہا ہے اور جس کی ہر نقل آجتک بمطابق اصل ہی تھی اور جس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ دوسری طرف روایاتی غلط رسوم و رواج کا تو ہرگز خلفائے راشدین کے دور میں وجود ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ روایت سازی چھپے ہوئے علمائے یہود نے پہلی صدی کے غالباً نصف ثانی میں اپنے عظیم انقلاب معکوس کے منصوبے کے تحت ایجاد کی اور دوسری صدی کے دوران اس فن کو عروج پر پہنچایا۔ دوسری صدی ہی میں اس مواد کی تحریر سازی کا کام شروع کیا گیا۔ اس ضمن میں محمد بن اسحاق اور محمد بن السائب کلبی بطور اولین ماخذات مشہور و معروف ہیں اور مسلمانوں کیلئے مقام شرم و الم ہے کہ دونوں دراصل یہودی الاصل تھے۔

ایک اور شکایت جناب نے یہ فرمائی کہ "نماز کو چوتڑ اٹھا کر عبادت سے منسوب کر دیا گیا" جبکہ پوپ اعظم کے سجدے کا تمسخر نہ کیا گیا۔ برادرم اس قسم کا سوقیانہ لفظ استعمال

کرنا قرآنی جماعت کا اسلوب نہیں ہے۔ یہ بھی جناب کی جانب سے غلط بیانی ہے۔ ہمارے پاس نہ ہی پوپ کا تمسخر اڑانے کی کوئی وجہ ہے اور نہ ہی نماز نام کی بے نتیجہ رسم پرستش سے مذاق پر قیمتی وقت ضائع کرنے کا کوئی جواز۔ جناب، کہاں پوپ کا سجدہ اور کہاں مسلمان کا معمول کا عبادتی سجدہ؟ دونوں کو مماثل کرنے کا کیا جواز؟ اور دونوں میں تطبیق پیدا کرنے میں کہاں کی نکتہ آفرینی؟ برادر محترم، پوپ نے کراچی کی زمین کو سجدہ اس پس منظر میں کیا ہوگا کہ وہ آپ کی حقیر ترین قوم کو اپنے خیر سگالی کے رویے سے تھوڑا سا خوش کردے۔ اس سجدے کا آپکی روزمرہ نماز کی رسم کے سجدے سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب رہ گیا اپنے سجدے کا معاملہ، تو بات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے حوالہ دینا دیانت کے اصولوں کے خلاف ہے اور یقیناً ایک قابل گرفت جرم ہے۔ بات بہت پرانی نہیں۔ ۲۰۰۷ء کا ذکر ہے کہ محترم قاضی کفایت اللہ، لاہور، سے، بواسطہ ادارہ بلاغ القرآن، تحریری بحث مباحثے کے دوران بات سجدہ اور اسکے قرآنی اور اصطلاحی معانی کی چل رہی تھی۔ جہاں محترم کا استدلال جسمانی حرکت، بشکل منہ زمین سے لگانا اور دبر اونچی کرنا، کے حق میں تھا۔ جبکہ اس عاجز کا استدلال سجدے کے معنی "تعمیل احکام کیلئے مکمل آمادگی اور خود سپردگی" کے حق میں تھا۔ اب وہاں قاضی صاحب کے استدلال کو واضح اور نمایاں کرنے کیلئے روایتی بے سود سجدے کی ہیئت کذائی بیان کی گئی تاکہ موازنہ دوسرے بلند و بالا مقصد رکھنے والے معانی سے آسانی کیساتھ کیا جا سکے۔ بس اتنی سی بات تھی۔ لفظ بھی [دبر] استعمال کیا گیا تھا، یعنی پیٹھ یا پشت۔ قاضی صاحب نے اس حقیقت بیانی پر کسی شکایت کا اظہار بھی نہ کیا تھا۔ مگر جناب ہمارے گناہوں کی لسٹ میں اضافہ کرنے کیلئے بہت دور کی کوڑی لائے۔ امید ہے جناب کی شکایت درج بالا تشریح سے دور ہوگئی ہوگی۔

تاہم عاجز یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ شکایت پیدا ہی کیوں ہوئی؟ ظاہر ہے کہ جناب اور تمام امت مسلمہ روزانہ 'چوتڑ' (آپکا استعمال شدہ لفظ) اوپر کرتے ہی ہیں۔ اگر آپ کی باقاعدگی سے ادا کی جانے والی مقدس رسم کی عملی شکل بیان بھی کر دی گئی تو کیا

کچھ غلط بیانی کی گئی؟ الزام تراشی کی گئی؟ یا کچھ قیامت آگئی؟ جناب جس فعل کا فخر سے ارتکاب کرتے ہیں اسکے بیا ن پر شرمندہ ہونے کا کیا جواز اور اس پر کیسی شکایت؟ اگر اس فعل میں واقعی کچھ شرمندگی اورشکایت کا عنصر موجود ہے تو آپ لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ خود سوچ کر کوئی فیصلہ کن قدم اٹھائیے کہ ایسا عمل کرنا کہاں تک درست ہے۔ اسکا کوئی بھی معقول نتیجہ سامنے آ بھی رہا ہے یا شر اور بدی کی قوتیں اسی طرح عروج پر ہیں۔ پھراس کی کوئی بہتر تعبیر تلاش کرنے کی کوشش کریں تاکہ شرمندگی اور شکایت نہ پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا جبھی ممکن ہے کہ اندھی تقلید اور منجمد عقل وشعور سے چھٹکارا پایا جا سکے!!

صفحہ ۲ پر ہی جناب نے ملوکیت کے حق میں کچھ دلائل، بطور خود حجتی، دینے کی کوشش کی۔ ان میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف اور حضرت طالوت کو بحوالہ ۲/۲۴۷ ملک قرار دیا۔ حوالہ چیک کرنے پرمذکور ہ مقام پر صرف طالوت ہی کا نام مندرج پایا گیا۔ صحیح حوالہ جات نہ دیے جائیں تو تحریر سے دھوکہ دہی کا اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے اور بات وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے۔ ملک کہہ دینے سے ویسے بھی کونسا شخصی مطلق العنانیت کا تصور لازم آ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ بھی تو ملک ہی ہے۔ لیکن رب بھی ہے۔ جس کسی کو بھی وہ زمین کی ملکیت دیتا ہے اس کا [ربوبیت عامہ] کو ہر خاص و عام تک پھیلا دینا فرض ہو جاتا ہے۔ ہماری تاریخ میں ملوکیت کی اصطلاح ظالمانہ، شخصی مطلق العنانی کی لیئے ہی استعمال کی جاتی ہے اور اس کو متنازعہ بنانیکی کوشش کوئی خوشگوار علمی تاثر پیدا نہیں کرتی۔ پھر اسی بنیاد پرجناب نے سوال بھی کر دیا کہ اگر ملوکیت بری ہے تو کیا نظام ہو؟ پھر فرمایا کہ اسکی تفصیلات قرآن کریم میں نہیں ملتیں؟ شوریٰ کیسے قائم ہوگی؟ عدلیہ کیسے وجود میں آئیگی؟ اقیمو الدین؟ اقیمو الصلوۃ کا کیا عملی طریقہ ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ راہنمائی ۱۶/۸۹ میں ہوئی ہے، ورنہ پھرقرآن [تبیاناً لکل شئی] کیسے ہوسکتا ہے؟ صفحہ ۳ پر پھر سوال کیا کہ "شکاری جانوروں کو سدھانے اور شکار پکڑنے کا طریقہ قرآن کریم میں کہاں دیا گیا ہے؟" پھر خود ہی فتویٰ صادر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے انسان پر بعض چیزیں چھوڑ دی ہیں"! واضح ہو کہ اس تضادات سے پر کٹ حجتی میں شریک ہونے کیلیئے یہ قرآنی جماعت

مکلّف نہیں ہے۔ خدا جانے یہ سب کچھ برادرم نے شکایتاً ہمیں کیوں لکھ دیا ہے۔ شکایت ہی کرنی ہے تو قرآن عطا کرنیوالے سے کریں یا پھر اپنی محدود سوچ کے دائرے سے باہرقدم رنجہ فرمائیں۔ دو نمبر کے مروجہ اسلام، جس کے خود بھی اقراری ہیں، کے چنگل سے اپنی جان چھڑائیں۔ استخراجی روش کو ترک فرما کر قرآن میں اس انداز میں آزادانہ تدبر کریں جسے اقبالؒ نے استقرائی سوچ کہا ہے۔ یعنی فرمے کو غلط ٹوپی پر فٹ کرنیکی بجائے ٹوپی کو فرمے پر فٹ کر کے درست کرنیکی کوشش کریں۔ اور اس طرز پر قرآن کی ۱۴۰۰ سال سے دفن شدہ حقیقی تعبیرات تلاش کرنیکی جدوجہد کریں تا کہ ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف اور تضادات دور ہو سکیں۔

صفحہ ۳ پر ہی جناب نے ۹-۲/۲۳۸ کا ایک انتہائی فرسودہ لفظی ترجمہ پیش کردیا ہے جو مسخرے پن کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔ قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں :-

"تم حفاظت کرو نمازوں پر، اور بہترین نمازوں پر، اورتم قائم ہو جاؤاللہ کیلئے فرمانبرداری اختیار کر لینے والے ہو کر۔۔۔"

گویا نماز کوئی گھوڑا یا کوئی اونچی جگہ ہے جس پر بیٹھ کر یا اوپر چڑھ کر کسی (نا معلوم چیز) کی حفاظت کیجائیگی۔ اور اس حفاظت کیلئے [بہترین نماز] پر چڑھ کر حفاظت کی جائیگی۔ اورتم قائم ہو جاؤ [کیا ہو جاؤ؟ ساکت کھڑے یا زمین میں گڑ جاؤ] اللہ کیلئے، اور اس ساکت کھڑے یا زمین میں گڑ کر کھڑے ہو جانے سے قبل بھی کچھ ہو جاؤ - کیا ؟ "فرمانبرداری اختیار کر لینے والے ہو کر" !! العیاذ باللہ! ۔ نہایت ضروری ہے کہ آیت مذکورہ کا معیاری مفہوم جناب کے گوش گزار کر دیا جائے تا کہ صحیح اور غلط کا موازنہ کر سکیں۔ تو پڑھ لیجیئے :-

" (عائلی زندگی سے متعلق احکام دینے کے بعد فرمایا) ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کی پابندی کرو لیکن یہ پیش نظر رکھو کہ تمہاری مرکزی ذمہ داری تمام معاملات میں قوانین الٰہی کی اطاعت ہے۔۔۔"

صفحہ ۳ پر ہی کچھ استدلال آیت "واتخذو من مقام ابراھیم مصلی" (۲/۱۲۵) کے بار

ے میں بھی فرمایا۔ یہاں پھر اسی بنیادی غلط العام کا ارتکاب فرمایا جو آپ تقریباً ہر قدیمی یا جدید تفسیر میں نوٹ فرمائیں گے۔ یعنی مقام (زبر کیساتھ)کو مجرمانہ تحریف کر کے مقام (پیش کیساتھ) کے معانی میں جان بوجھ کر لینا ۔اورحضرت ابراہیمؑ کے بلند ترین ''مقام یعنی درجے و مرتبے'' کے بیان کو کعبے میں ایک مخصوص ''مقام'' یعنی جگہ پر نماز ادا کرنے کے من گھڑت معنی میں باور کرنا اور پھر اسی غلط تفہیم اور ہوائی استدلال کو نماز بمعنی پرستش کے حق میں استعمال کرنیکی کوشش۔ افسوس! اقبال کے الفاظ میں :-

بیان میں نکتہءتوحید آ تو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

جہاں میں بندہءحر کے مشاہدات ہیں کیا تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیئے

اور اسی جگہ پھر قرآنی جماعت پر یہ اتہام کہ '' میرا مقصد آپ لوگوں کی کتب [انکار صلٰوۃ] کا جواب دینا نہیں''؟؟ کیا کوئی بھی کتاب اس جماعت کی طرف سے ایسی لکھی گئی ہے جس میں ''صلٰوۃ کا انکار'' کیا گیا ہو یا جسکا عنوان ''انکار صلٰوۃ'' ہو؟ اللہ تعالٰی کے حضور جناب کا گریبان ہوگا اور ہمارا ہاتھ ۔اور آپ کے اس بیان کے حق میں آپ سے حوالہ اور ثبوت ضرور طلب کیا جایئگا۔اور عرق انفعال سے جناب کی پیشانی تر بتر ہوگی! یقیناً۔

=================

مکتوب کے آخری تین صفحات قرآن کی نئ اور متعدد مختلف قراءات کی تیاری اور چھپائی کا خبر نامہ ہے۔ اس واردات پر تشویش اور تفکر کا بیان جذباتیت پر مبنی ہے کیونکہ ہم یا آپ اس مذموم مہم کیخلاف یا اس کے تدارک میں کسی بھی استعداد کے حامل نہیں ہیں۔ پورا عالم اسلام قرآن دشمن، سامراج کے غلاموں سے بھرا پڑا ہے اور ان سے ایسے ہی کارہائے نمایاں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ البتہ ، نہ جانے کیوں، توپوں کا رخ یہاں بھی بلا کسی جواز قرآنی جماعت ہی کی طرف رکھا گیا ہے اور انہیں ہی اس ضمن میں بھی طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیاہے۔ یعنی ''بندر کی بلا طویلے کے سر''۔ یہاں جنا ب کا انداز خصوصاً انتہائی غیر محتاط

ہے۔ فرماتے ہیں :-

'' پھر دل تھام کے بیٹھو کہ اب میری باری ہے۔ ''آپ'' کے قرآن کے یہ تینوں (حفاظت کے) دعوے تو باطل ہو چکے''۔

اب یہاں کیا کیا جائے؟ بقول شاعر: - ناطقہ سر بگریبان ہے کہ اسے کیا کہیئے خامہ انگشت بدنداں ہے کہ اسے کیا لکھیے

برادرم، یہ تینوں دعوے جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے، بخدا ہمارے نہیں۔ یہ آپ کے اور ہمارے رب ذوالجلال کے ہیں۔ آپ نے اپنی کوئی پرانی دشمنی نکالنے کیلئے یہ بھی ہمارے ذمہ لگا دیئے! مزید برآں، یہاں پہنچ کر آپ نے قرآن کو صرف ''ہمارا'' کیوں کر دیا؟ یعنی خود قرآن کو خطرے میں پا کر اس سے منکر ہی ہو گئے! آپ کی ''باری آنے'' کا مقصد تو پھر یہ ثابت ہوا کہ قرآن کو مسخ کر دینے کی کوششیں شروع ہو جانے سے آپ کی بن آئی اور آپ کا یہی مقصد تھا جو پورا ہونا شروع ہو گیا؟ کیوں جناب؟ یہ واضح رہے کہ قرآن کو مسخ کردینا یا تو شیطان کا پلان تھا، یا یہودیوں کا عزم۔ گویا جناب نے اپنے تئیں ان دونوں صنفوں کیساتھ شریک کر لیا! خود ہی فرمایئے کہ جناب کی اس خوشی اور ''باری آ جانے'' کو کیا سمجھا جائے؟ قرآن دشمن کا خطاب بھی پورا اترتا ہے اور خدا دشمن بھی کہلوانے کا حق رکھتے ہیں! یقیناً یہاں پھر برادرم کی کیفیت اسی شعر کی شکل میں مکرر بیان کی جا سکتی ہے جو ما قبل بھی درج کرنا پڑا، یعنی :-

کہہ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پھر اسی غیر منطقی انداز میں اس واردات کے ضمن میں بھی خطاب ہم غریبوں اور بے گناہوں سے ہے جو اس مذموم کام سے غیر متعلق ہیں۔ اور جنہیں اس سے، جناب کے برعکس، کوئی خوشی نہیں ہوئی ۔ اور اسی قرآن کا علم بلند کیئے جادہ پیمائی میں مگن ہیں جو رسول اللہ کا لکھا ہوا ہے اور آج تک امت مسلمہ کے ہر گھر، ہر مدرسہ و مسجد، ہر لائبریری اور ہر یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اور جسے مسخ شدہ نئے قرآنوں کو پھیلانے کی غرض سے نہ مٹایا جا سکتا ہے، نہ مٹایا جا سکیگا۔ آپ کی ''باری آ جانے'' سے کیا اصل قرآن ہر گھر سے اٹھا

لیا جائیگا؟ یا ہر گھر تک نئی کاپی پہنچا کر پرانی سے تبدیل کر لی جائیگی؟ آپ کی ''باری آنے '' سے تو خیر کیا، پوری دنیا کی سپر طاقتیں مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ وہ تو خود اسی قرآن کے بیشتر اصولوں کو مشعل راہ بنا چکی ہیں کیونکہ انہیں زندہ اور غالب رہنا ہے۔ یعنی قرآن عظیم اپنے اصول و اقدار کی ترویج و پیروی کی شکل میں ہمیشہ زندہ جاوید رہیگا۔ ارتقاء کی بلندیوں کی جانب سرگرم سفر ہر قوم کیلئے قرآنی اصو ل و اقدار ہی مشعل راہ ہونگے۔ علم و ہدایت کا اصل سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور اس ذات کا پرتو اس کا عطا کردہ قرآنی منشور ہی ہے۔ جس کے اصول و اقدار کا اصل دائرہء کار انسانی زندگیاں ہیں اور یہ اصول و اقدار قوموں کے عروج و زوال کو کنٹرول کرتے ہیں۔ انکا اتباع کرنے والی قومیں زمین کی طنابیں کھینچ لیتی ہیں۔ دنیا ان کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔ان کے سفینے سمندر سمندر شناوری کرتے اور ان کے سیارے نئے جہانوں کی جستجو میں اڑانیں بھرتے، آسمانوں کو کھنگالتے ہیں۔ ملائکہ ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

برادرم، کیا اس قوم کے مسائل در اصل نماز کا انکار، یا اس عمل پرستش کا استقرار و دوام، اور روزہ و حج ہیں؟ یا ڈکٹیٹروں اور استحصالی طبقات کا اس قوم سے رزق کا چھین لینا، اس کے تمام وسائل لوٹ لینا، ترقی کی ہر راہ بند کر دینا اور زندگی کی ہر راحت سے انہیں محروم کر دینا ہیں؟ ۱۴۰۰ سال سے سلب و نہب کا یہ بہیمانہ تسلسل جناب سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ کبھی سوچا ہے؟ یا جناب صرف نمبر دو مذہب کے فروعی مسائل پر blame game ہی میں وقت اور توانائی کا ضیاع کرنے ہی کو اہمیت دینے کے حق میں ہیں؟ ہمیں کیوں اس بھوک اور خوف کے عذاب کا اندازہ ہی نہیں جو بزدلی اور غلط نگہی کی پاداش میں اس قوم پر مسلط ہے۔اور ہمارے بچے رزق کی تلاش میں در در بھٹکتے، اغیار کی ادنیٰ غلامی کرنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں؟ دیکھیں فیض نے ایک 'جھوٹے' جشن آزادی کے موقعے پر ہماری صورت حال کی کیسی عکاسی کی تھی :-

جس دیس کے کوچے کوچے میں افلاس آوارہ پھرتی ہو
جو دھرتی دکھ اگلتی ہو اور دکھ فلک سے گرتا ہو

جہاں بھوکے ننگے بچے بھی آہوں پر پالے جاتے ہوں
جہاں سچائی کے مجرم بھی زنداں میں ڈالے جاتے ہوں
جہاں مظلوم کے خون سے اپنے محل دھوئے جاتے ہوں
اس دیس کی مٹی برسوں سے یہ دکھ جگر پہ سہتی ہے
اور اپنے دیس کے لوگوں کو آزادی مبارک کہتی ہے

یہ ہے ہمارا حقیقی المیہ جناب کیپٹن صاحب ، جس کے سد باب کیلئے ہمیں آج ہی سے اپنی تمام توانائیاں وقف کرنی ہیں۔ آیئے فروعی اختلافات کا پیچھا چھوڑ کر ایک دوسرے کی گردنوں میں بانہیں ڈالیں اور بدترین ظلم اور جبر کے طویل تسلط کیخلاف اٹھنے والی ہر عملی تحریک کیلئے تن، من اور دھن کی بازی لگا دیں ۔ قرآنی اصولوں کی حکمت و دانائی کو مشعل راہ بناتے ہوئے ایک سیاسی پلیٹ فارم سے نہایت مربوط، منضبط اور کاملیت کے درجے تک پہنچی ہوئی، جدید وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتی ہوئی، اس جاں گسل جدوجہد کا آغاز کریں جو بالآخر ربوبیت عامہ پر منتج ہو کر اس قوم کو بھوک، بیماری، ظلم، بربریت اور محرومیوں سے نجات دے۔ اور ۱۴۰۰ سالہ طویل تاریخ کی حامل اس استحصالی حکمران مافیا کے خاتمے کی راہ ہموار کرے۔

توقع تو یہ تھی کہ برادرم کیجانب سے کوئی پر مغز، انقلابی تحریر سامنے آئیگی، لیکن ۔۔۔۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔

اورنگزیب یوسفزئی